میں اکثر و بیشتر 'شرک' مراد ہوتا ہے از روئے الفاظِ قرآنی: اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ۔ (یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے!) اب ظاہر ہے کہ مشرک کو بھی جس طرح حیاتِ مادّی کے لیے پانی اور ہوا کی ضرورت ہے اسی طرح ضمیر کے اطمینان کے لیے جھوٹ موٹ کی کسی نہ کسی نیکی کا سہارا ضروری ہے۔ چنانچہ کچھ نہ کچھ اُلٹی سیدھی اور جھوٹی سچّی نیکیاں وہ بھی اپنے نامۂ اعمال میں جمع کراتے ہیں لیکن ان کے یہ اعمال نتیجہ خیز اور بار آور نہیں ہوتے، اس لیے کہ اُن کی پشت پر توحید یا اخلاص موجود نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایسی تمام نیکیاں رائیگاں جاتی ہیں، جیسے کہ اسی سورۂ مبارکہ کی آیت ۱۸ میں تمثیل بیان ہو چکی ہے کہ:

مَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ اَعۡمَالُہُمۡ کَرَمَادِ ۣاشۡتَدَّتۡ بِہِ الرِّیۡحُ فِیۡ یَوۡمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقۡدِرُوۡنَ مِمَّا کَسَبُوۡا عَلٰی شَیۡءٍ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِیۡدُ ۝

"اُن لوگوں کے اعمال کی مثال جنہوں نے اپنے ربّ کا کفر کیا ایسے ہے جیسے راکھ جس پر کسی آندھی والے دن تیز ہوا چلے۔ چنانچہ جو کمائی (بزعمِ خویش) انہوں نے کی ہوگی، اس میں سے اُن کے پلّے کچھ بھی نہ پڑ سکے گا۔ (ظاہر ہے کہ) یہی گمراہی کی انتہا ہے!"

اس اہم مضمون کے لیے ایسی ہی فصیح و بلیغ تمثیل وہ بھی ہے جو سورۃ النّور میں وارد ہوتی:

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُہُمۡ کَسَرَابٍۭ بِقِیۡعَۃٍ یَّحۡسَبُہُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَہٗ لَمۡ یَجِدۡہُ شَیۡئًا وَّ وَجَدَ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ فَوَفّٰىہُ حِسَابَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ۝

"اور جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی اُن کے اعمال (یعنی نیکیاں) اس سراب کے مانند ہیں جو کسی چٹیل میدان میں ہو، اور جسے پیاسا پانی سمجھ رہا ہو لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو اُسے کچھ بھی نہ پائے، بلکہ وہ پائے وہاں اللہ کو جو اس کا حساب چکا دے۔ اور اللہ کو حساب چکاتے دیر نہیں لگتی۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دردناک انجام سے بچائے اور توحید کی دولت سے سرفراز فرمائے اور خلوص و اخلاص کی نعمت مرحمت فرمائے۔ آمین ـــــــ یا ربّ العالمین!

اَقُوۡلُ قَوۡلِیۡ ہٰذَا وَاَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ لِیۡ وَلَکُمۡ وَلِسَآئِرِ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ـــــ وَالۡمُسۡلِمَاتِ!

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝

خصوصیات صحابہ کرامؓ
قرآن حکیم کی روشنی میں (۲)

مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی

اصولی جماعت کی بنیاد: توحید فی الحکم

امّتِ مسلمہ اور ایک اصولی جماعت کی بنیاد "توحید فی الحکم" کے عقیدہ پر قائم ہوتی ہے اور توحید کی یہ قسم نہایت نازک اور اہم ہے۔

توحید فی الحکم کا مطلب یہ ہے کہ حکم دینا، شریعت وضع کرنا اور مخلوق کے لیے زندگی کا نظام بنانا صرف خداوند قدوس کا حق ہے۔ نبی و رسول حکمِ خداوندی کے شارح (قولی گواہ) اور شاہد (عملی گواہ) ہوتے ہیں۔ نبی شریعت ساز نہیں ہوتا۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے قول و عمل (حدیث و سنّت) کے ذریعہ شریعت کے احکام و عبادات میں جو تفصیلی ہدایات دیں وہ بھی وحیِ الٰہی کی روشنی میں دیں۔ علماءِ دین نے وحی کی دو قسمیں کی ہیں — ایک وحیِ متلو یعنی قرآن کریم — اور دوسری وحی غیر متلو یعنی حدیثِ نبویؐ۔

توحید فی الحکم کی بنیادی حیثیت کو واضح کرنے کے لیے جس صحابیٔ رسول کو خداتعالیٰ نے منتخب کیا وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ صلح حدیبیہ کے واقعہ میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مشرکینِ مکّہ کے ساتھ صلح کرنے میں اپنے آپ کو پیچھے ہٹالیا۔ یہ حق و باطل کی سیدھی ٹکر تھی، اس میں حق کے نمائندہ کا پسپائی پر راضی ہو جانا بڑا اہم مسئلہ تھا۔

رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم جزوی معاملات میں اپنی رائے یا صحابہؓ کے

مشورہ کے مطابق فیصلہ کر لیتے تھے، لیکن یہ معاملہ بنیادی تھا۔ اس میں کیا حضورؐ نے اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کیا اور کیا یہ حق حضورؐ کو حاصل تھا؟ حضرت عمرؓ کے دل میں یہی اصولی سوال پیدا ہوا اور اس سوال کو حل کرنے کی غرض سے خدا نے آپؓ کے دل میں جذبہ حق پیدا کیا اور آپؓ نے حضورؐ سے سوال کیا :

یَارَسُولَ اللّٰہ ! اَوَلَسْنَا بِالمُسْلِمِیْن ؟ اَوَلَیْسُوْا بِالْمُشْرِکِیْن؟
قال علیہ السلام : "بلیٰ"۔ قال: فعلام نعطی الدنیّۃ فی دیننا ؟ فقال صلی اللّٰہ علیہ وسلّم :
اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ ورسولُہ، لَنْ اُخالِفَ اَمْرَہٗ ولن یُضیعنیْ۔ (ابن کثیر، ۱۹۶ جلد ۴)

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی دینی فراست نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف اقدام کرنے کے معاملہ میں اہم رول ادا کیا، لیکن اس سے زیادہ نازک قانونی مسئلہ میں انہوں نے حضرت عمرؓ کے اضطراب کو یہ کہہ کر دُور کرنے کی کوشش کی کہ :

" اَلْزِمْ غرزہٗ حَیْثُ کان " (عمرؓ! حضورؐ کی رکاب پکڑے رہو جس طرح ہو سکے۔) یعنی صدیق اکبرؓ نے "آمنا و صدقنا" کا مقام اختیار کیا۔ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کا اضطراب دیکھ کر اسے اصولی انداز سے دُور فرمایا۔ حضورؐ اپنی پیغمبرانہ فراست سے سمجھ گئے کہ عمرؓ کہاں بول رہے ہیں۔ پھر عمرؓ جہاں بول رہے تھے حضورؐ نے اسی کے مطابق جواب دیا۔ فرمایا:

" عمرؓ! میں خدا کا رسول اور اس کا بندہ ہوں، میں خدا کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا، یقیناً وہ مجھے برباد نہیں کرے گا۔"

مسئلہ صاف ہو گیا کہ مشرکین کے مقابلہ میں حدیبیہ کی بظاہر مغلوبانہ صلح اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ہوئی ہے، حضورؐ کی ذاتی رائے سے نہیں ہوئی۔ حضرت عمرؓ یہ ضرور فرماتے ہیں کہ:

" مازلت اصوم و اصلّی و اتصدّق و اعتق من الذی

صنعت مخافتہ کلامی الذی تکلمت بہ یومئذ،
حتی رجوت ان یکون خیرا ۔"
(میں نے اس دن کی گفتگو کو سوءِ ادب سمجھ کر اس کے کفارہ کے لیے
نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، صدقہ دیا، غلام آزاد کیے، یہاں تک
کہ مجھے امید ہے کہ وہ قبول کی جائیں گی۔)

لیکن یہ فرمانا حضرت عمرؓ کا تواضع کے طور پر تھا۔ درحقیقت اس میں جو دینی مصلحت پوشیدہ تھی اسے اوپر واضح کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کے ساتھ وفاتِ رسولؐ کے موقعہ پر قرطاس کا جو واقعہ پیش آیا، اس کا تعلق بھی اسی دینی مصلحت سے ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے "شرک فی الحکم" کے سلسلہ میں سورۃ التوبہ (۳۱) کی وہ آیت موجود تھی جس میں نومسلم عیسائی حضرت عدی ابن ابی حاتم کو خلجان پیدا ہوا تھا اور حضورؐ نے ان کے خلجان کو دور کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"عدی! کیا تم اپنے علماء و مشائخ کو شریعت ساز نہیں قرار دیتے؟"
انہوں نے کہا: "جی ہاں، یہ بات تو ہے" اس پر آپؐ نے فرمایا:
اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
کا یہی مطلب ہے۔"

"توحید فی الحکم" کی چند مزید مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ اور یہود خیبر کا واقعہ

حضرت عبداللہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خیبر کے یہودیوں سے جزیہ کی رقم وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ یہودی ایک رشوت خور اور سود خور جماعت تھی۔ انہوں نے اسلامی عامل حضرت عبداللہ کو پیسہ کا لالچ دے کر کہا:

"عبداللہ! ایسا کرو کہ جزیہ کی جو رقم تشخیص ہو اس کا آدھا حصہ تو تم مدینہ لے جاؤ اور آدھے حصہ میں سے ایک حصہ ہمارے لیے چھوڑ دو اور ایک حصہ

اپنے پاس رکھ لو۔ اس طرح کچھ فائدہ تم کو بھی ہو جائے گا۔" رسولِ پاکؐ کے عامل نے اس کا یہ جواب دیا:

"اے یہود! رسولِ پاکؐ کی محبت اور تمہاری عداوت دونوں میں سے کوئی چیز مجھے خیانت کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔"

یعنی حضورؐ کی محبت میں تمہیں نقصان پہنچاؤں یا تمہاری عداوت میں حضورؐ کو فائدہ پہنچاؤں، یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ میرے ایمان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ عبداللہ ابنِ رواحہ رضؓ کے کام پر کوئی جاسوس مقرر نہیں تھا، وہ جو کچھ کرتے کر سکتے تھے۔ لیکن "مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ" پر ان کا ایمان تھا۔ اس نے انہیں دولت کی طمع سے بچا لیا۔ حضرات صحابہ رضؓ کے اندر اس آیتِ مبارکہ کا یقین موجود تھا:

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ (التوبہ: ۹۶)

(یہ منافقین اگر جھوٹی قسمیں کھا کر تمہیں راضی بھی کر لیں تو اس سے کیا ہوتا ہے، خدا تعالیٰ تو ان نافرمانوں سے راضی نہیں!)

(۲) حضرت بریرہؓ اور مغیث صحابی رضؓ کا واقعہ:

حضرت بریرہ رضؓ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی تربیت یافتہ باندی تھیں جنہیں آپؐ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ حضورؐ نے بریرہؓ کا نکاح حضرت مغیث رضؓ کے ساتھ کر دیا۔ بریرہ رضؓ ایک حسین خاتون تھیں اور مغیث رضؓ ایک سیاہ فام شخص تھے۔ شریعت کا قانون ہے کہ باندی آزاد ہونے کے بعد غلامی کے دور کا نکاح توڑ سکتی ہے۔ چنانچہ جب حضورؐ نے بریرہؓ کو آزاد کیا تو انہوں نے مغیثؓ سے ترکِ تعلق کا فیصلہ کر لیا۔ مغیث رضؓ نے بہت اصرار کیا، مگر وہ باز نہیں آئیں۔ حضورؐ نے بریرہ رضؓ کو مشورہ دیا کہ یہ نکاح قائم رکھیں مگر بریرہ نے حضور رضؓ کو نہایت قانونی قسم کا جواب دیا۔ بولیں:

"حضورؐ! یہ آپ کا ذاتی مشورہ ہے یا شریعت کا حکم ہے؟" آپؐ نے

فرمایا: "میرا ذاتی مشورہ ہے" بریرہؓ بولیں: "تو پھر حضورؐ! میں اسے قبول کرنے سے معذور ہوں۔" آپؐ نے سکوت فرمایا — اور بریرہؓ نے وہ رشتہ توڑ دیا۔

بریرہ حضرت عائشہؓ جیسی محدث اور فقیہہ خاتون کی تربیت میں رہ چکی تھیں۔ صحابہؓ میں حضرت عائشہؓ کی قانون دانی مشہور ہے۔ اسی تربیت کا اثر تھا کہ بریرہؓ نے قانونِ شریعت کے سہارے حضورؐ کا ذاتی مشورہ قبول نہیں کیا۔ اور ایک عورت کو شریعتِ اسلامیہ نے جو قانونی قوت عطا کی ہے اس کا اظہار اس واقعہ سے ہو رہا ہے۔ ایک باندی کا ذاتی مشورہ قبول کرنے سے انکار کرنا نہ تو حضورؐ کے لیے باعثِ تکدر ہوا اور نہ جماعتِ صحابہؓ نے اسے سوءِ ادب سمجھا، کیونکہ قانون کی بخشی ہوئی آزادی کا احترام بہر حال مقدم تھا۔

حضرت زینبؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ ابنِ حارثہ کے ساتھ نکاح کا جو پیغام دیا اور اسے حضرت زینبؓ نے شروع میں نامنظور کر دیا تو اس کی صورت یہ تھی کہ حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نے حضورؐ کے پیغام کو حضورؐ کا ذاتی مشورہ سمجھا اور قریش کی ایک معزز خاتون نے ایک غلام کے ساتھ رشتۂ نکاح کو عرب معاشرہ کے رسم و رواج کے لحاظ سے معیوب تصور کیا — لیکن جب قرآن کریم کی آیات "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا الخ (الاحزاب: ۳۶) نازل ہوئیں اور قرآن نے بتایا کہ یہ پیغام رسولِ پاکؐ کے حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی ایک مومن مرد اور مومن عورت کے لیے جائز نہیں ہے تو پھر حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور یہ نکاح ہو گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں ناموافقت کی وجہ سے یہ رشتہ ٹوٹ گیا۔

(۳) مدین کے گمنام مجاہد کا واقعہ:

فارس کے غزوہ میں جب مدین فتح ہوا تو ایک مجاہد کو دشمنوں کے سامان میں فارس کے حکمران کسریٰ کا بیش قیمت تاج ملا — یہ مجاہد اس تاج کو لے کر لشکر کے سپہ سالار